سلسلۂ چشتیہ کی مشہور کتاب فوائد الفواد
ایک تجزیاتی مطالعہ

مولانا احتشام الحق قاسمی

سرزمینِ ہند کی دنیائے تصوف میں ایک خاص شہرت سلسلۂ چشتیہ کو حاصل ہے۔ یہاں پر اس سلسلہ کی بنیاد تو خواجہ معین الدین چشتیؒ نے رکھی مگر اس کی اصل مقبولیت وشہرت کا سہرا خواجہ نظام الدین اولیاء[1] (م: ۷۲۵ھ/۱۳۲۸م) کے سر جاتا ہے اور کتبِ چشتیہ صوفیہ کی مشہور ومتداول کتاب "فوائد الفواد" انہی کے ملفوظات اور احوالِ مجالس کا مجموعہ ہے جس میں ۷۱۷ھ/۱۳۱۷ء سے لے کر ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء تک کی تقریباً پندرہ سالہ مجالس کا تذکرہ ہے۔ تصوف کے موضوع پر یہ بے حد اہم اور مقبول کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے مرتب خواجہ میر حسن علا سجزی[2] (م ۷۳۸ھ) ہیں جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے قریبی مریدوں میں سے تھے۔

اس مقالہ میں مختلف موضوعاتِ تصوّف کے تحت اس کتاب[3] کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو چیزیں صحیح ہیں انھیں معروضی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جو چیزیں قرآن وحدیث سے ٹکراتی ہوئی نظر آتی ہیں ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

بیعت اور احترامِ شیخ

خواجہ نظام الدین اولیاء کے نزدیک اسلام پر عمل کرنے کے لیے اور خدا کی ذات سے قرب حاصل کرنے کے لیے بیعتِ شیخ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک ہم کسی بزرگ کی رہنمائی ونگہداشت میں داخل نہ ہوں گے۔ بڑی آسانی سے شیطان کے بہکاوے میں آسکتے ہیں۔ ہمارا نفس ہم کو عجب وتکبر اور دوسری

بیماریوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ یہ شیخ ہی کی ذات ہوتی ہے جو ہماری شعوری ولاشعوری حرکات پر سخت نظر رکھ کر ہماری اصلاح کے لیے فکر مند رہتی ہے اور ہم کو صحیح معنوں میں اسلام پر عمل کرنے والا بناتی ہے۔ ان کے یہاں یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ" من لیس لہ شیخ فشیخہ شیطان" یعنی جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

پیر کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ وہ عالم ہو، شریعت کے جملہ احکام اور طریقت وحقیقت کے تمام اسرار سے واقف ہو، باعمل ہو اور اس کو کسی بزرگ کی طرف سے اجازت بھی حاصل ہو۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مریدوں کو ضلالت وگمراہی سے بچائے۔ ان کو لغزشوں سے روکے[۱۴] ان کے اعتقاد کا حال معلوم کرے کہ آیا درست ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضورؐ کی رسالت کے اقرار میں کوئی کمی تو نہیں آئی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے تزکیۂ نفس کے لیے کوششیں کرے اور ان کو ایک صاف ستھرا پاکیزہ اور مکمل انسان بنائے[۱۵]

ان کی تعلیمات کے مطابق مرید کو پیر سے حسنِ اعتقاد رکھنا چاہئے اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیے۔ احترام کے معاملہ میں دوسرے صوفیا کی بہ نسبت وہ اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس بات کا تذکرہ ہوا کہ اگر پیر کوئی غیر شرعی حکم مرید کو دے تو وہ بھی بجالانا چاہئے یا نہیں؟ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اوّل فرائض شیخی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ واقف جملہ امور شریعت واحکام طریقت ہو۔ جب وہ خود عالم ہوگا، کسی طرح نامشروع حکم نہ دے گا۔ یا وہ حکم "مختلف فیہ" ہوگا یعنی نزدیک بعضے مجتہدین جائز ہوگا اور بعضوں کے نزدیک ناجائز ہوگا، ایسے مسئلہ میں جو فرمانِ پیر ہو بجالانا چاہیے۔[۱۶]

مرتب ملفوظات میر حسن علا سجزی کہتے ہیں: "ایک مرتبہ بندہ نے عرض کیا کہ ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اس وقت کوئی بزرگ تشریف لائیں اور یہ شخص نماز توڑ کر ان سے ملاقات کرے، یہ امر مناسب ہے یا نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز پوری کرنی چاہیے اور پھر مشغول ہو کیونکہ حکم شرع ہے کہ ایسے امور کے لیے نماز کی نیت نہ توڑی جائے۔ اسی وقت یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا نہر کے کنارے گئے۔ مریدوں کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے وضو کر رہے

سب شیخ کو دیکھتے ہی تعظیم شیخ کے لیے کھڑے ہوگئے لیکن ایک صوفی نہ اٹھا۔ اس نے پہلے وضو تمام کیا اور بعدہٗ تعظیم شیخ کے لیے کھڑا ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان سب میں ایک ہی درویش کامل ہے کہ بعد اتمام وضو میری تعظیم کی۔[۸]

لیکن اس صورت میں کہ نفل نماز میں مرید مشغول ہو اور پیر اس کو آواز دے، وہ کہتے ہیں کہ مرید کو نماز توڑ کر پیر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اس ضمن میں وہ اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ایک صحابی کو آواز دی، وہ نماز پڑھ رہے تھے، فوراً حاضر نہ ہو سکے۔ تکمیل نماز کے بعد حاضر ہوئے۔ آپ نے سبب تاخیر دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ "حبیب خدا یا اس کا رسول طلب کرے تو فوراً حاضر ہو اور جواب دو" یہ بتا کر حضرت نظام الدین" فرماتے ہیں: "فرمانِ شیخ بھی موافق فرمان رسولؐ ہے[۸]" کیونکہ جس طرح وہ اپنی امت کے لیے فکر مند رہتے ہیں اسی طرح شیخ بھی اپنے مرید کی اصلاح اور تصحیح کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

اس موضوع کے تحت یہیں کچھ ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جو اسلامی حدود سے متجاوز نظر آتے ہیں اور احترام شیخ کے سلسلہ میں مذکورہ بالا فکر سے تضاد رکھتے ہیں۔ مرتب کتاب کہتے ہیں ایک مرتبہ گفتگو حسن اعتقاد کے بارے میں ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شیخ رفیع الدینؒ سے جو شیخ الاسلام اودھ تھے سنا ہے وہ فرماتے تھے: میرا ایک دوست خواجہ اجل شیرازی کا مرید تھا۔ اس کو کسی تہمت میں گرفتار کیا گیا اور سزائے قتل تجویز کی گئی۔ قتل گاہ میں لا کر جلاد نے اس کو روبہ قبلہ کھڑا کیا اور قتل کرنا چاہا کہ اس نے منہ پھیر لیا اور قبلہ کی جانب پشت دے کر منہ اس طرف کر کے کھڑا ہو گیا جس طرف اس کے پیر کا مزار تھا۔ جلاد نے کہا کہ تم نے منہ کیوں پھیر لیا؟ ایسے وقت منہ قبلہ کی طرف کیا کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جس طرف میرا قبلہ ہے میں نے اپنا منہ رکھا ہے تو اپنا کام کر۔[۹]

یہ امر مسلّم ہے کہ خانۂ کعبہ کے سوا کسی مزار یا خانقاہ وغیرہ کو اپنا قبلہ ماننا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کیونکہ قرآن و حدیث نے خانۂ کعبہ ہی کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا ہے۔

اس باب میں ایک اور تکلیف دہ شئی ہے جو اسلامی روح کے سخت خلاف

ہے اور وہ ہے " استعانت بہ شیخ " یعنی مصیبت و پریشانی کے عالم میں بجائے خدا کو یاد کرنے اور اس سے مدد چاہنے کے اپنے پیر کو یاد کرنا۔ اس سلسلہ میں شیخ نظام الدین اولیاء اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں :" ایک مرتبہ میں سفر میں تھا۔ مجھے بسبب درازیٔ منزل سخت تکلیف ہوئی۔ اگرچہ پاپیادہ مسافر نہ تھا مگر پھر بھی تشنگی غالب ہوئی۔ راہ میں ایک تالاب تھا۔ میں اس کے کنارے گیا۔ گھوڑے سے اترا اور چاہتا تھا کہ پانی پیوں مگر صفرا غالب ہوگیا تھا، مجھے قے ہوگئی اور گر کر بے ہوش ہوگیا، اس حالتِ بے ہوشی میں نام شیخ الاسلام کا میری زبان سے جاری تھا اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے ہوش آیا۔ میں نہایت خوش ہوا اور مجھ کو کامل یقین ہوگیا کہ آخری وقت میں بھی نام مبارک شیخ کا میری زبان سے جاری ہوگا اور انشاء اللہ انہی کی یاد میں سفر کروں گا۔"[۱۱]

اس حکایت کے آخری جملے قابلِ غور ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق ہر مومن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور کلمۂ توحید کے ورد پر اس کا خاتمہ ہو مگر فوائد الفواد میں موجود شیخ نظام الدین کے درج بالا جملے بتاتے ہیں کہ آخری وقت میں شیخ کی یاد ہی ان کے لیے، باعثِ اطمینان و فرحت ہے۔

استمداد بہ شیخ کا غیر اسلامی تصور " فوائد الفواد" کے ایک اور واقعہ میں بالکل واضح شکل میں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:" ایک نقیب نیشاپوری محمد نام مرد بزرگ راسخ الاعتقاد تھے۔ میں نے ان کی زبانی سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ ملک گجرات کے سفر میں تھا۔ اس زمانے میں وہاں ہندؤں کا راج تھا۔ میرے ساتھ اور دو تین شخص ہم سفر تھے اور ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا ان دنوں وہاں بازار غارتگری گرم تھا۔ ایک روز راستہ میں یکایک ایک ہندو شمشیر برہنہ لیے ہمارے پاس آیا۔ دیکھنے سے خوف کی حالت ہم پر طاری ہوئی۔ جس وقت وہ میرے نزدیک آیا میں نے بآواز بلند کہا " شیخ حاضر باش" یہ سنتے ہی اس ہندو نے نہ جانے کیا دیکھا کہ لرزہ اس کے جسم میں پڑ گیا تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ گڑ گڑا کر کہتا تھا کہ مجھے امان دیدو میں حیران تھا کہ اسے کس بات کی امان دوں۔ ابھی تک تو یہی مجھ پر حاوی تھا آخر میں نے اسے امان دے دی اور وہ تلوار بھی اٹھا کر دی۔ وہ اپنی راہ اور ہم اپنی راہ ہو گئے"

حضرت نظام الدینؒ نے بعد اتمام حکایت فرمایا دیکھئے اس نے کیا دیکھا تھا اور اس کو کیا دکھایا گیا تھا۔[۱۱۰]

اسی طرح کی ایک اور حکایت کا اس کتاب میں ذکر ہے جس میں اس سفر کا تذکرہ ہے جو حضرت نظام الدین اپنے بزرگ فریدالدینؒ سے پہلی بار ملنے کے لیے کرتے ہیں اور دوران سفر ایک بوڑھا ان کا ہم سفر بنتا ہے اور جنگل میں جہاں بھی اسے ڈاکوؤں یا درندوں کا خوف محسوس ہوتا ہے نعرے لگاتا ہے کہ "اے پیر حاضر باش" "اے پیر در پناہ توایم" حضرت نظام الدین اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پیر کون ہیں تو وہ بابا فریدالدین ہی کا نام لیتا ہے جس سے ان کے شوق و وارفتگی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔[۱۱۱]

اس میں شک نہیں کہ استمداد بہ شیخ کی یہ شکل "استعانت بغیر اللہ" کے زمرے میں آتی ہے جو شریعتِ اسلامی اور سنت نبوی کے سخت خلاف ہے چاہے وہ استعانت کسی باحیات بزرگ سے ہو یا کسی بزرگ کے مزار سے، دونوں چیزیں برابر ہیں۔

سجدہ تکریمی

احترام پیر میں اس کو سجدہ کرنے کے بارے میں حضرت نظام الدین کا نظریہ یہ تھا کہ اس سے احتراز کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ تاہم وہ جواز کے قائل تھے اور بعض جگہوں پر اس کی پرزور وکالت بھی کرتے تھے۔

مرتب فوائد الفواد لکھتے ہیں "ایک مرتبہ گفتگو اس امر میں ہوئی کہ مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سر زمین پر رکھتے ہیں۔ نظام الدینؒ نے فرمایا: میرا ارادہ یہی تھا کہ میں خلق کو ایسی تعظیم سے منع کروں لیکن میں نے خیال کیا کہ یہی امر شیخ فریدالدینؒ کے سامنے ہوتا تھا اور آپ منع نہ فرماتے تھے، پس میں نے بھی درگذر کیا۔[۱۱۲]

سجدۂ تعظیمی کی اباحت کے بارے میں ان کے طرز استدلال کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں: "کئی روز ہوئے ایک بزرگ زادے روم و شام کی سیاحت کئے ہوئے آئے تھے۔ ان کے بیٹھے ہوئے پر وحیدالدین قریشی آئے اور موافق رسم تعظیم بجالائے اور زمین ادب سے چومی۔ انھوں نے برا مانا اور زور سے کہا کہ سجدہ ہوا، ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا اور بھی بہت برا بھلا کہا۔ میں جواب دینا نہیں چاہتا

تھا لیکن ان کی درشتی اور برہمی مزاج حد سے گذر گئی میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا سنئے صاحب جو امر فرض ہوتا ہے اس کی فرضیت جاتی رہنے کے بعد اس کا استحباب باقی رہتا ہے۔ جیسے روزہائے ایام بیض اور عاشورہ کہ امم متقدمہ پر فرض تھے اور جب عہد رسول اللہؐ میں روزہ ہائے رمضان فرض ہوئے، فرضیت ان کی جاتی رہی، صرف استحباب باقی رہ گیا۔ اسی طرح سجدہ بھی امم ماضیہ میں مستحب تھا کہ رعیت بادشاہ کو اور شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی تھی۔ عہد رسول مقبول میں اس سجدہ کا استحباب اٹھ گیا، لیکن جواز اس کا باقی ہے۔ یہ سجدہ اگرچہ مستحب نہیں لیکن مباح ہے اور اس کی اباحت کی نفی کہیں کسی جگہ نہیں آئی ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو مجھے تبلاؤ ورنہ محض انکار سے کیا ہوتا ہے، انکار محض بیکار ہے۔ میرے یہ کہتے ہی وہ بزرگ زادے خاموش ہو گئے، مطلق جواب نہ دے سکے۔[۱۳]

علماء کرام کی اکثریت نے سجدۂ تعظیمی کو حرام اور اسلامی تعلیمات کے سخت خلاف قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کی حرمت پر کئی دلائل پیش کیے ہیں جن میں خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی کہ "اگر میں خدا کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو کہتا کہ سب سے پہلے بیوی اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

عبادات

نظام الدین اولیاؒ کے نزدیک عبادات کا معاملہ کچھ چیزوں کو چھوڑ کر بہت حد تک اعتدال پسندی کی طرف جھکا ہوا ہے۔ وہ اپنے مریدوں کو پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرنے اور خاص طور پر نماز باجماعت کا اہتمام کرنے، فرض روزوں کو ادا کرنے اور صیام ایام بیض کا اہتمام کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ ان کے اکثر اوراد و وظائف قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور کچھ ذاتی اور اپنے شیوخ سے حاصل کردہ ہیں مگر وہ بھی قرآن و سنت سے متناقض نظر نہیں آتے۔

دوسرے صوفیہ کی طرح ان کے یہاں بھی کچھ منفرد عبادتوں کا تصور ہے جیسے لیلۃ الرغائب، صلوٰۃ خضر، نماز اویس قرنی اور نماز معکوس وغیرہ۔

عبادات میں اذیت پسندی کے سلسلے میں بزرگوں کے متعدد واقعات اس

کتاب میں ملتے ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ کا واقعہ بڑے ہی مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے جو ہر مرتبہ قضاء حاجت کے بعد غسل کرنا اور ساتھ ہی دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے ایک مرتبہ ان کو عارضۂ شکم لاحق ہوا اور تقریباً ساٹھ مرتبہ انھیں قضاء حاجت کے لیے جانا پڑا۔ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق ہر مرتبہ غسل کیا اور دو رکعت نماز ادا کی حتیٰ کہ اسی تکلیف میں ان کا انتقال ہوگیا[۱۵]۔ ایک اور جگہ ایک ایسے بزرگ کا واقعہ درج ہے جو چالیس سال تک راتوں میں ذرا دیر کے لیے بھی نہیں سوئے[۱۶]۔ ظاہر ہے شرع میں اس بے جا مشقت کی کوئی گنجائش نہیں۔

ترک دنیا

تصوف میں بنیادی چیز ترکِ دنیا ہے۔ جب تک دنیا اور اس کے لہو و لعب سے بیزاری پیدا نہ ہو اس وقت تک اس میدان میں ایک قدم بھی چلنا دشوار ہے۔ اس معاملہ میں بہت سے صوفیہ اعتدال کی حدود کو پار کر جاتے ہیں اور شریعتِ اسلامی سے دوری اختیار کر لیتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک ترکِ دنیا کا مفہوم یہ ہے کہ سالک معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرے اور دنیا اور خلقِ دنیا سے بھی دوری اختیار کر کے تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی گذارے اور موجودہ زمانے کے صوفیہ کے مطابق دوسروں کے ٹکڑوں پر گذارا کرے۔ ان سے ہٹ کر کچھ معتدل المزاج صوفیہ ایسے بھی ہیں جو معاشرتی ذمہ داریوں کو نبھانے کے بھی قائل ہیں اور اس کے ساتھ دنیاوی علائق سے بیزاری اور خدا سے محبت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت نظام الدین ترکِ دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں: "ترکِ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ ننگا ہو کر لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ رہے بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے، کھانا کھائے اور جو فتوحات حاصل ہوں لیتا دیتا رہے۔ جمع نہ کرے اور اپنی طبیعت کو کسی جانب متعلق نہ کرے[۱۷]۔"

وہ کسبِ حلال کی ہمیشہ ترغیب دیتے ہیں اور اس کے لیے ان بزرگوں کے قصے بیان کرتے ہیں جو کسبِ رزقِ حلال کے لیے مستقل محنت کیا کرتے تھے[۱۸]۔

دنیا کے بارے میں ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ جتنی زیادہ دولت ہوگی اتنی ہی زیادہ وہ مصائب کا باعث بنے گی کیونکہ حشر کے دن اس کا بھی طویل حساب ہوگا کہ کہاں سے کیا

اور کہاں پر خرچ کیا۔ اس لیے اگر زائد از کفاف مال و دولت ہو تو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے ذخیرۂ آخرت بنا لینا چاہیے۔ انھوں نے ایک حدیث "حلالہا حساب وحرامہا عذاب" نقل کر کے اس کے پہلے ٹکڑے کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ حلال کا حساب یہ ہے کہ اس کے جمع کرنے والے کو روز محشر آفتاب کے سایہ یعنی دھوپ میں کھڑا کریں گے اور حساب لیں گے۔ دریافت کریں گے کہ یہ مال تم نے کہاں سے حاصل کیا۔ کہاں خرچ کیا۔"[۱۹]

ان کا تصور ہے کہ بیوی بچے اور ان کے حقوق کی ادائیگی دنیا داری میں داخل نہیں ہے۔ بچوں سے محبت و شفقت ایک مستحسن فعل ہے اور حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کا یہی اسوہ تھا کہ وہ بچوں سے شفقت و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔[۲۰]

عداوتِ دنیا میں غلو اور غیر معتدل فکر خود شیخ کو بھی پسند نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ گفتگو محبت اور عداوت دنیا کے بارے میں ہوئی۔ انھوں نے ارشاد فرمایا: "خلق تین قسموں پر منقسم ہے۔ ایک وہ لوگ جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اس کی یاد اور اس کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور ایسے آدمی بے شمار ہیں دوسرا وہ گروہ ہے جو دنیا کو دشمن جانتا ہے اور ہمیشہ ملامت و مذمت کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے اور اس کی عداوت میں مشغول رہتا ہے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا کو دوست نہیں رکھتے اور نہ دشمن جانتے ہیں اور اس کا ذکر بعداوت اور نہ محبت کرتے ہیں اور یہ قسم دوسری قسم سے بہتر ہے۔"[۲۱]

دنیا سے حد سے زیادہ نفرت کرنے والوں کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ان کی حد سے زیادہ نفرت خود دنیا سے محبت کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں: "ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں چاہیے۔ یہ نہ چاہنا بھی اس کو چاہنے کی دلیل ہے اصل میں خواستِ حق پر شاکر رہنا چاہیے بندہ کو چاہنے نہ چاہنے سے کیا کام۔"[۲۲]

کشف و کرامات

آج کل کشف و کرامات کے نام سے صرف شعبدہ بازی اور بازیگری و دھوکے بازی کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ مگر حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے حالات

اس سے مختلف ہیں۔ ان کے مطابق کشف و کرامت تصوف کی ابتدائی منزلوں میں سے ایک منزل ہے اور یہ ایک طرح سے امتحان کا موجب بنتے ہیں۔ اگر سالک اس کے کھیل تماشے میں پڑ گیا تو اس کے لیے ترقی ممکن نہیں۔ سالک کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی کرامات کو حتی الامکان پردۂ خفا میں رکھے۔ اگر شوقیہ وعلانیہ اس کا اظہار کرتا پھرے گا تو بہت ممکن ہے کہ اس کی بازپرس ہو جائے اور تمام چیزیں چھین لی جائیں۔

کرامت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ہر معاملہ جو عقل میں آجائے نام اس کا اور ہی ہوتا ہے اور جس معاملہ میں عقل قاصر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں"۔[۲۳]

ایک مرتبہ گفتگو ان لوگوں کے بارے میں ہو رہی تھی جو خود کو دعویٰ کرامت سے متصف کرتے ہیں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "ان کی بیہودگی ہے"۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے کرامت کا چھپانا اپنے اولیاء پر فرض کیا ہے جیسا کہ انبیاء پر اظہار معجزہ فرض کیا تھا۔ اگر کوئی شخص کرامت ظاہر کرے گا وہ تارکِ فرض ہوگا۔ یہ بہت خراب بات ہے"۔[۲۴]

سماع

راگ اور لحن سے کسی نظم کو سننے کو صوفیہ کی اصطلاح میں سماع کہتے ہیں۔ اس کے لیے باقاعدہ محفل کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس میں اہل زہد و تقویٰ جمع ہوتے ہیں۔ پھر کوئی خوش الحان قوال عشق و محبت الٰہی یا اسی جیسے موضوع پر لحن کے ساتھ نظم پڑھتا ہے۔ اس کی خوش الحانی سے مضمون کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔ ایک رقت سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ عشق و محبت الٰہی کی آگ بھڑکنے لگتی ہے۔ بعض بزرگ وجد کے اس مقام کو پہنچ کر عالم سکر میں رقص بھی فرمانے لگتے ہیں۔ کبھی یہ سماع اجتماعی شکل سے ہٹ کر انفرادی شکل میں بھی ہوتا ہے۔ سماع کو تصوف کے میدان میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ وہ اصحاب طریقت کی جان ہے۔ جس شخص کو سماع سے بیزاری پیدا ہو اس پر افسوس کیا جاتا ہے۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ اگر ذوق سماع کسی کو حاصل نہ ہو تو اس کی زندگی لاحاصل ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین سماع کے زبردست حامی تھے مگر خوش الحانی سے سننے کی حد تک اور اس میں بھی ان کے نزدیک بہت سخت شرائط ہیں۔ سماع میں آلاتِ طرب کے استعمال کی انھوں نے سخت مخالفت کی اور اس کو خلاف شرع قرار دیا ہے۔ ان کے بقول "اس قسم کے سماع سے جس میں مزامیر استعمال کیے گئے ہوں، کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

چونکہ علماء احناف سماع کی حرمت کے قائل ہیں اس لیے نظام الدینؒ کے اس موقف کی خود ان کے زمانے میں سخت مخالفت کی گئی اور اس سلسلہ میں بازپرس کے لیے دربار شاہی میں بھی بلوایا گیا۔ مگر انھوں نے اپنے مخالفین کو مسکت جواب دے کر لوٹا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ان کے لیے سماع کی اجازت دے دی گئی۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اقتباس کافی دلچسپ ہے جس میں وہ سماع کے موضوع پر علمی انداز میں بحث کرتے ہوئے مزامیر کے استعمال پر بیزاری کا اظہار کرتے ہیں: مرتب کتاب فرماتے ہیں: "حاضرین میں سے کسی شخص نے کہا کہ اس وقت حکم ہوا ہے۔ سماع آپ کے واسطے جائز ہے۔ آپ جب اور جس طرح چاہیں سنیں۔ حضرت نظام الدینؒ نے ارشاد فرمایا: جو شے حرام ہے وہ کسی کے حلال کہنے سے حلال نہیں ہوسکتی اور نہ حلال شے کسی کے حکم دینے سے حرام ہوسکتی ہے مسئلہ سماع مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ سماع کو مباح فرماتے ہیں۔ اس اختلاف میں حاکم جو حکم دے گا وہی حکم ہوگا۔"[۲۵] اس وقت کسی شخص نے عرض کیا کہ آپ کے بعض مریدوں نے کسی موضع میں راگ سنا ہے جس میں مزامیر بھی تھے۔ حضرت نظام الدین نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے اچھا کام نہیں کیا۔ نامشروع فعل اچھا نہیں ہوتا۔[۲۶]

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب "فوائد الفواد" زمانۂ حال کے تصوف کی سیکڑوں خرابیوں اور کفر و بدعات سے پاک ہے۔ اس کے باوجود اس میں کچھ چیزیں ایسی ضرور ہیں جو عوام کو الجھنوں میں ڈال سکتی ہیں اور گمراہی کا باعث بن سکتی ہیں۔ خاص طور پر قبروں اور مزارات سے عقیدت، اپنے پیروں سے استمداد اور ان کے احترام میں سجدۂ تعظیمی وغیرہ اسلامی روح کے بالکل خلاف ہیں بلکہ ان معاملات میں ذرا سی بھی بے احتیاطی دین و ایمان کو بھی خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ مگر اس کے باوجود

ہم مجموعی طور پر اس کتاب کی افادیت سے انکار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اس میں جگہ جگہ فرائضِ اسلامی، نماز، روزہ، احترامِ شریعت اور اتباعِ سنت کی تلقین، مادہ پرستی سے دور رہ کر زندگی گزارنے کی تاکید، مخاطب کے مزاج اور اس کی نفسیات کو سمجھ کر اس کو خوبصورت انداز میں لے کر چلنے کا طریقہ جس عمدہ و دلکش پیرائے میں ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں تک اسلامی روح سے تضاد رکھنے والے عناصر کا معاملہ ہے وہ اس کتاب میں نسبتاً کم ہیں۔

حواشی ومراجع

۱؎ ان کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں دائرۂ معارفِ اسلامیہ دانش گاہ پنجاب، لاہور درمادّہ "نظام الدین"۔

۲؎ ان کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مقدمہ فوائدالفواد، منظور بک ڈپو دہلی: ۱۹۸۸ء

۳؎ ہمارے زیرِ نظر اس کتاب کا جو نسخہ ہے وہ منظور بک ڈپو دہلی سے ۱۹۸۸ء میں طبع ہوا ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں اردو اکادمی دہلی سے بھی شائع ہوا ہے۔ اس میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ جو خواجہ حسن ثانی نظامی نے کیا ہے۔ اطمینان کی خاطر موخرالذکر نسخے سے نظرثانی کرلی گئی ہے۔

۴؎ فوائدالفواد ص ۱۰۹
۵؎ ایضاً ص ۱۲۶
۶؎ ایضاً ص ۲۵۶
۷؎ ایضاً ص ۲۵۹
۸؎ ایضاً ص ۳۶۰
۹؎ ایضاً ص ۱۳۷
۱۰؎ ایضاً ص ۱۳۸-۱۳۷
۱۱؎ ایضاً ص ۱۶۳
۱۲؎ ایضاً ص ۲۵۹
۱۳؎ ایضاً ص ۲۴۰
۱۴؎ ایضاً ص ۲۷۱-۲۷۰
۱۵؎ ایضاً ص ۲۵۶
۱۶؎ ایضاً ص ۲۰۹
۱۷؎ ایضاً ص ۶۵
۱۸؎ ایضاً ص ۹۷
۱۹؎ ایضاً ص ۱۰۹
۲۰؎ ایضاً ص ۳۱۱-۳۱۰
۲۱؎ ایضاً ص ۱۲۴
۲۲؎ ایضاً ص ۳۲۲
۲۳؎ ایضاً ص ۶۳
۲۴؎ ایضاً ص ۲۱۹
۲۵؎ ایضاً ص ۳۵۴
۲۶؎ ایضاً ص ۲۵۵